بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ؟

موجودہ حکومت نے ۱۲ ربیع الاوّل کو اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے عملی اقدامات کئے اور حدود و تعزیرات اور نظامِ عشر و زکوٰۃ کے نفاذ کے سلسلہ میں چند اہم اور بنیادی احکام نافذ کر دئے اسلام سے وابستہ ہر طبقہ نے ان اعلانات کی تحسین کی اسلامی نظریاتی کونسل میں شامل شیعہ حضرات نے بھی ان احکامات کے نفاذ کیلئے حکومت سے بھرپور تعاون کی اپیل کی اور حکومت کو دلی مبارکباد پیش کی لیکن شریعت غرا اور قوانین کتاب و سنّت کے عملی نفاذ اور اس جانب واقعی پیش رفت سے جو لوگ گھبرا گئے ان میں یہاں کے الحاد پسند اور دہریت نواز طبقوں کے علاوہ وہ شیعہ واعظین اور مجتہدین بھی کمر کس کر میدان میں اُتر گئے جو بھٹو کے عہدِ سیاہ میں اس کے حامی اور زوردار وکیل تھے جنہوں نے شیعہ برادری کے ووٹ بھٹو ازم کے ترویج و استحکام کے ذریعہ بنا رکھے تھے اور جو آخر وقت تک بھٹو کی حفاظت و سلامتی کے لئے تعویز لکھ رہے تھے۔ ایسے چند نام نہاد شیعہ مجتہدین نے اسلامی نظام کی تمام کوششوں کو سبوتاژ کرانے کیلئے اچانک شیعہ حضرات کیلئے الگ قوانین و احکام کو فقہ جعفریہ کے نام سے نافذ کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا اور پاکستان کو لبنان بنا دینے اور اہل سنت کے خلاف جہاد کرنے کی دھمکیاں بھی شروع ہوئیں پھر شیعہ علماء و مجتہدین کا معقولیت پسند اور حقیقت شناس طبقہ بھی جذباتی رو میں بہہ کر اس مہم میں شریک ہو گیا اور بالآخر حکومت نے شیعہ حضرات کیلئے فقہ جعفریہ کی روشنی میں الگ قوانین و احکام کا جائزہ لینے کا وعدہ کر لیا۔

شیعہ حضرات کے جداگانہ قوانین کے اس مطالبہ اور مہم پر ملک کی سالمیت و سلامتی اور یہاں کے نظامِ حیات اور دستور و آئین سے تعلق رکھنے والے نہ صرف مسلمان شہری بلکہ معقول و معتدل مزاج معاملہ فہم شیعہ حضرات کو بھی ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے اور حکومت کو بھی کسی رو میں بہہ کر ضرورت سے زیادہ وسیع النظری اور رواداری کا مظاہرہ کرنے کی بجائے اس معاملہ کے خطرناک اور تباہ کن عواقب و نتائج پر غور کرنا ہوگا۔ ہم سب ایک طرف تو ملک و ملّت کی بقاء و سلامتی کیلئے مکمل قومی یکجہتی اور کامل یکسوئی کا ورد کرتے رہتے ہیں بالخصوص شیعہ برادری جو اپنے جداگانہ مطالبات کے بینروں اور دیواری نعروں کے عین متصل "شیعہ سنی بھائی بھائی" کا دلفریب جملہ بھی بڑھانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ملک و ملت کیلئے ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونا اس لئے بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ملک کے اندر دین دشمنی پر متفق طاقتیں ایسا کر رہی ہیں اور سرحدات سے باہر کفر و اسلام کی جنگ جاری ہے۔ اس کا دفاع و تعاقب بھی بقاءِ ملت و حفاظتِ وطن کی اولین ضرورت ہے۔ مگر ساتھ ہی زندگی کے ہر شعبہ میں ملّت کی گاڑی الگ الگ پٹڑیوں پر ڈال رہے ہیں کیا اس سے بڑھ کر ملک و ملت کی دشمنی اور اس سے بڑھ کر نفاق کا کوئی شعبہ ہو سکتا ہے۔

شیعہ حضرات کیلئے صد ہزار بار سر جوڑ کر سوچنا چاہئے کہ ایک طرف وہ قومی یکجہتی کے دعویدار ہیں اور دوسری طرف پورا زورِ عمل ملّت کے سوادِ اعظم سے کلّی تفریق و افتراق پر صرف کر رہے ہیں اور کسی غیر مسلم اقلیت کی طرح وہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اور جزئی سے جزئی امر میں بھی اتحاد و افتراق کے روادار نہیں۔ بھٹو کے عہدِ تفریق و نفاق میں شیعہ حضرات نے جب نصابِ دینیات کی علیحدگی کی مہم چلائی تو ہم نے پورے درد سے اس کے خلاف آواز اٹھائی یہاں تک کہ اسمبلی میں بھی پوری شد و مد سے اس کے مہلک عواقب پر توجہ دلانے کی سعی کی کہ افتراق کا یہ چکر اگر چل پڑا تو کبھی ختم نہ ہو سکے گا بالآخر وہی ہوا، اب نصابِ دینیات کے لئے شیعہ حضرات کا ایک اور ارتقائی قدم اٹھا اور مطالبہ ہوا کہ پہلی جماعت سے دسویں تک نہیں بلکہ یونیورسٹی کی سطح تک کتب، مدرس، لیکچرار اور پروفیسر کا الگ انتظام کیا جائے ــــ اوقاف میں علیحدگی کے مطالبات سامنے آئے ملّت کا شیرازہ جس کلمۂ وحدت کلمۂ توحید سے بندھا ہوا ہے۔ کلمہ وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی جد و جہد دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ بھکر کی حالیہ شیعہ کانفرنس میں پوری شد و مد سے شیعہ کلمہ اور شیعہ اذان کے تحفظ و ترویج کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ شیعہ کے نزدیک کلمۂ توحید سے نہیں بلکہ شیعہ کلمہ ہی سے اسلام کی تکمیل و تتمیم ہو سکتی ہے۔ (ملاحظہ ہوں کتب شیعہ) یہی حال اسلام کے معروف شعائر اذان اور زندگی کے باقی مسائل کا ہے کہ شیعہ حضرات کے نزدیک "دونوں فرقوں کے انسانی پیدائش سے لیکر مرنے تک اسلامی نظریات علیحدہ علیحدہ ہیں۔" (ملاحظہ ہو ہفت روزہ شیعہ لاہور ۸ تا ۱۸ مارچ ۷۹ء صفحہ ۳)

افتراق و اختلاف کی رہی سہی کسر حالیہ مہم (فقہ جعفریہ کی آڑ میں علیحدہ قوانین کے نفاذ) کی شکل میں پوری کی گئی ہے جبکہ اسلامی تاریخ کے سیاہ سے سیاہ ادوار میں بھی اسکی مثال موجود نہیں کہ پرسنل لاء اور شخصی قوانین کو چھوڑ کر ملک کے فوجداری، دیوانی اور عام اجتماعی و معاشرتی قوانین میں بھی دو قسم کے قوانین لاگو ہونے کا مطالبہ کیا گیا ہو، خلافتِ عباسیہ کو تو چھوڑیئے فاطمیوں اور شیعہ نواز حکمرانوں بلکہ شیعہ مزاج و مسلک رکھنے والے سلاطین کے ادوار میں بھی اسکی نظیر موجود نہیں کہ ایک ہی وقت میں جرم و سزا اور عدل و انصاف کے کئی کئی ترازو اور پیمانوں سے عدالت و ایوان کو تفریق و انتشار کا نشان بنا دیا گیا ہو بلاشبہ مسلم ریاستوں میں اقلیتی فرقوں کے حقوق کا پورا پورا تحفظ موجود ہے فقہی مکاتب و مسالک کے احوالِ شخصیہ (پرسنل لاء) اور مذہبی رسومات و عبادات کی پوری نگہداشت کی گئی ہے مگر اس کا دائرہ طلاق و نکاح وراثت و مذہبی تہواروں کی رسومات و عبادات تک محدود رہا ہے ملکی قوانین فوجداری و دیوانی، نظم و انصرام مملکت کے امور دستور و آئین، حدود و تعزیرات اور دیگر قوانین جرم و سزا تک اس کا دائرہ کبھی وسیع نہیں کیا گیا ایسا ہونا نہ ممکن ہے نہ مناسب ورنہ کسی بھی ملک کا نظامِ عدل و احتساب ایک مذاق بن کر رہ جائیگا کسی اسلامی مملکت میں غیر مسلم ذمی بھی رہتے ہیں اور مختلف فقہی مکاتب کے پیرو بھی یہاں شافعی، حنبلی، مالکی اور حنفی بھی ہوں گے، شیعہ اور سنی بھی۔ چور، زانی، ڈاکو اور قاتل جرم کرتے وقت اپنے جداگانہ قوانین اور فقہی مسلک ملحوظ نہیں رکھتا چور شیعہ ہے تو مسروق منہ (جسکی چوری کی گئی ہو) سنی بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بالعکس بھی یہی حال اور لوگوں کا ہے کہ سارق شیعہ مسروق منہ قادیانی سارق بہائی تو مسروق منہ غیر مسلم یا مسلم

ساری ماڈرن خیالات کا علمبردار ہے، اور اس کے نظریات جرم و سزا کے بارہ میں مختلف ہیں، پھر عدالت میں موجودہ مغربی وکالت کا نظام ہے کہ گویا اسکی ساری عمارت ہی شیعہ مسلک کے مقدس مسئلہ جھوٹ اور تقیہ پر رکھی گئی ہے۔ ایسے حالات میں کسی حد و تعزیر کا نفاذ عدالت کے لئے کیسے ممکن ہوگا کہ جس مجرم نے جس قانون اور سزا میں رعایت اور تخفیف محسوس کی وہ اپنے آپ کو اُس فرقہ و مسلک سے وابستہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اگر شیعہ حضرات ہر حال میں ایسی پالیسی پر گامزن رہنا چاہتے ہیں تو پھر ان ہی کے مطالبات کو قابلِ عمل بنانے کے لئے لازماً حکومت کو شیعوں کا علیحدہ تشخص و تعیّن کرنا پڑے گا۔ اور شناختی کارڈ، پاسپورٹ جیسی بنیادی دستاویزوں میں پہلے ہی سے شیعہ یا سنی ہونے کا اندراج کرانا پڑے گا۔

اسی طرح حکومت کو علیحدگی کے اس نہ ختم ہونے والے سلسلہ کو ختم کرانے کے لئے مسلک و مذہب کی بنیاد پر قطعی مردم شماری کرانی پڑے گی کہ آج ہر شیعہ مطالبے کی بنیاد اسی من گھڑت مبالغہ آمیز شرح آبادی پر رکھی جارہی ہے۔ کبھی تین کروڑ تعداد بتلائی جارہی ہے تو کبھی چالیس فی صد جبکہ کسی سرسری اور عام سروے سے یہ تعداد تین یا چار فیصد ثابت ہوسکے گی اس طرح جب جھوٹ اور مبالغہ کے بادل چھٹ جائیں گے، تو سنّی اکثریت کی آنکھیں بھی کھل جائیں گی۔ اور شرح آبادی کی بنیاد پر ملک کے تمام ملازمتوں حقوق اور مناصب پر شبخون مارنے والی مٹھی بھر اقلیت کا محاسبہ بھی آسان ہوجائے گا کہ جو لوگ ملک و ملّت کے ہر ہر معاملہ میں علیحدہ تشخص کرانے میں پیش پیش ہیں حقوق اور رعایات کے معاملہ میں کس کس بے دردی سے سنّی اکثریت کے استحقاق کو غصب کرچکے ہیں ـــــ

جہاں تک سنّی مسلمانوں کی رواداری، وسیع النظری اور فراخ دلی کا تعلق ہے اس کا اندازہ ایران کے حالیہ انقلاب کے بارہ میں سنّی اکثریت کے فراخدلانہ رویّہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس کھونٹے پر آج ہمارے بھائی اس ملک کو بھی لبنان بنانے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ وہاں کی حقیقت اصل صورتحال اور عزائم و اقدامات جانتے ہوئے ہم اہلِ سنّت ملت کے مجموعی مفاد عالمِ اسلام اور مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کے پیشِ نظر کس عظیم الشان مصلحت شناسی اور وسیع النظری کا مظاہرہ کر رہے ہیں کہ اگر گویم زبان سوزد ـــــ!

لیکن شیعہ حضرات کے چند نا عاقبت اندیش اہل فکر و نظر کے ہاتھوں جب یہ شیرازہ وحدت پارہ پارہ کیا جارہا ہے۔ تو ناگزیر ہے کہ ہم اگلی فرصت میں اپنے سوز دروں کا کچھ مزید اظہار کرتے ہوئے انقلابِ ایران کی "وسیع النظری" کا کچھ آئینہ بھی انہیں دکھادیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق